سانحہ کربلا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

حافظ صلاح الدین یوسف

سانحہ شہادت حسینؓ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ حق و اعتدال کا ایک بہترین نمونہ، دلائل و براہین کا نادر مرقع اور خداداد فہم صحیح کا شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص ''منہاج السنۃ'' میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے اردو میں کر کے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر بھی قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ آیات و احادیث کے عربی الفاظ کا اصل کتاب سے مراجعت کر کے ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (مرتب)

سانحہ شہادت حسینؓ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ حق و اعتدال کا ایک بہترین نمونہ، دلائل و براہین کا نادر مرقع اور خداداد فہم صحیح کا شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص ''منہاج السنۃ'' میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے اردو میں کر کے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر بھی قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ آیات و احادیث کے عربی الفاظ کا اصل کتاب سے مراجعت کر کے ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (مرتب)

تمہید

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابو بکر، عمر، عثمان اور علیؓ کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

خلافة النبوه ثلاثون سنة ثم يوتى الله الملك من يشاء (احمد، ترمذی)

ترجمہ: خلافت تیس برس تک منہاج نبوت پر رہے گی۔ پھر سلطنت ہو جائے گی۔ (یہ لفظ ابو داؤد کے ہیں)

علماء اہلسنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس سے انکار غیر ممکن ہے۔ کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، ایک حکمران، ایک صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام، مصر، عراق، خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں۔ یوم عاشورہ ۶۰ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

بلا شبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگان مکہ و حجاز نے ان کا ساتھ دیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ نے خلافت کا دعویٰ یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے جیتے جی ہی اس کی بیعت پر رضا مند ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر ان کے حضور میں حاضر ہوں اس لئے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہوئی۔ پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا

حکمران نہیں ہوا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برگشتہ رہا تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور پھر معاویہ ابن ابی سفیانؓ، عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تمام دنیائے اسلام کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق؟

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خود مختار تھا، طاقتور تھا، صاحب سیف تھا، عزل و نصب کرتا تھا، اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا، کفار پر جہاد کرتا تھا، یزید کو بھی امام و خلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہ خلفاء معصوم نہ تھے

رہا یہ مسئلہ کہ یزید، عبدالمالک، منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علماء اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت والجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادات کی اطاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جنمیں ہمیں ان کی ضرورت ہے مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے۔ نیز اسی نوع کے دوسرے معاملات میں اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

نصب امام کے چند اصول

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکوں کے ساتھ بڑے بھی شامل ہوں تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلاشبہ یہ

> یزید کا معاملہ کوئی خاص جداگانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے۔ یعنی جس کسی نے اطاعت الٰہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی اسے اپنی اس نیکی اور اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صحابہ مؤمنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ ایسا ہی کرتے تھے۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مدد کی وہ گنہگار ہوا اور زجر و توبیخ اور مذمت کا سزاوار

بالکل درست ہے کہ اگر عادل صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر، مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کیلئے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائے گا ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے خلاف ایک فاجر شخص ہو جو بہترین طریق پر فوجوں کی قیادت کر سکتا ہو تو جس حد تک جنگی مقاصد کا تعلق ہے۔ یقیناً اسی آخر الذکر یعنی فاجر کو سربراہ بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی۔ بدی اور برائی میں اس پر اعتراض و انکار کیا جائے گا۔

حفظ مصالح اور دفع مفاسد

غرض امت کی مصلحتوں کا لحاظ ہے۔ اگر کسی فعل میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کس کا پلہ بھاری ہے اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفاسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبدالمالک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کیلئے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلا شبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اخیار و فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ ہی دنیوی نفع حاصل کیا اور معلوم رہے کہ اللہ

تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہم صحابہ تھے مگر انہوں نے اپنی خونریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

عہد فتن میں خروج کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ حسن بصریؒ، حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے ''حجاج اللہ کا عذاب ہے اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ خدا کے سامنے تضرع وزاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

ولقد اخذنا هم بالعذاب فما استكانوا لربهم وما يتضرعون۔ (المومنون،٢)

ترجمہ:۔ یعنی ہم نے ان کی عذاب کے ذریعے گرفت کی انہوں نے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑگڑائے۔

اسی طرح اور اخیار و ابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ میں جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ سعید بن المسیب''، حضرت زین العابدین، علی بن حسین وغیرہ ہم۔

اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنھم جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی موید ہیں اسی لئے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتن میں قتال و جدال سے اجتناب اور جور آئمہ پر صبر کیا جائے، وہ یہ مسئلہ اپنے عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل و فکر میں تامل کرے گا اس پر اس مسلک کی صحت و صداقت بالکل واضح ہو جائیگی۔

حضرت حسینؓ کا عزم عراق

اس لئے جب حضرت حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقوی مثلاً عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارثؓ نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے آپ ضرور شہید ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ روانگی کے وقت بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

استودعك الله من قتيل

ترجمہ: اے شہید ہم تمہیں خدا کو سونپتے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید اپنے باپ معاویہؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی شریک ہوئے تھے (یہ غزوہ ۵۱ھ میں ہوا جس میں حضرت حسینؓ یزید کی ماتحتی میں شریک تھے

اور بعضوں نے کہا:

لو لا الشناعة لا مسكتك و منعتك من الخروج

ترجمہ: اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز جانے نہ دیتے۔

اس مشورہ سے ان لوگوں کے مدنظر صرف آپ کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت حسینؓ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؓ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی کیونکہ آپ کے جانے سے ہرگز کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو پیغمبر خدا ﷺ کے جگر گوشے پر قابو مل گیا اور وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے۔ اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کیونکہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کیلئے آپ اٹھے تھے انہیں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گیا۔ خیر و صلاح میں کمی آ گئی اور ایک عظیم الشان دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا جس طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت سے فتنے پھیلے اس طرح حضرت حسینؓ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیئے۔

حضرت حسینؓ کا مقام بلند

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم کا ائمہ و خلفاء کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم مناسب اور امت کے دین و دنیا کے لئے زیادہ بہتر تھا اور جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی۔ ان کے فعل سے امت کو

فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؓ کی تعریف میں فرمایا تھا:

ان ابنی هذا سید وسیصلح الله به بین فئتین عظیمتین من المسلمین (رواه البخاری کذا فی المشکوة)

ترجمہ: میرا یہ فرزند سردار ہے عنقریب خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔

لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی کہ وہ فتنہ میں پڑے گا یا خلفاء پر خروج کرے گا یا اطاعت سے برگشتہ یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نظر میں مستحسن و محبوب ہے۔ اور حضرت حسنؓ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خونریزی کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب، مستحب ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

یہاں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے "خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی محبت کر"۔ چنانچہ جس طرح آپ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اسی طرح بعد میں یہ دونوں خانہ جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے تھے اور حضرت حسنؓ ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علی اور حسین رضی اللہ عنہما) کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود با اختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنے والوں میں صلح قائم کر دی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آخر میں یہ حقیقت روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی کربلا پہنچ کر جنگ سے بیزار اور سرے سے دعویٰ امارت و خلافت سے ہی دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے "مجھے وطن لوٹ جانے دو"۔

اطاعت فی المعروف

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جداگانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے۔ یعنی جس کسی نے

> یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیادار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا رہے حسین رضی اللہ عنہ تو بلا شبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم وقہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔ لاریب حسینؓ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے اس سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

اطاعت الٰہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی اسے اپنی اس نیکی اور اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صالح مومنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مددگار ہوا وہ گنہگار ہوا اور زجر و توبیخ اور مذمت اور سزا کا سزاوار، یہی باعث ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید اپنے باپ معاویہؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی شریک ہوئے تھے (یہ غزوہ ۵۱ھ میں ہوا جس میں حضرت حسینؓ یزید کی ماتحتی میں شریک تھے "البدایہ ص ۱۵۱ ج ۸ ظاہر ہے اس اثناء میں نمازیں بھی یزید کے پیچھے پڑھتے رہے" "ص،ی")۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم۔

ترجمہ: جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزو یہ کرے گی وہ مغفور یعنی بخشی بخشائی ہے۔

یزید کے بارے میں افراط و تفریط

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ تو اسے خلفائے راشدین اور انبیاء مقربین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور

کہتا ہے۔ کہ اس نے قصداً حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا تاکہ اپنے ان رشتہ داروں کے خون کا بدلہ لے جو بدر و خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

لما بدت تلك الحمول واشرفت
تلك الروس على ابى جيرون
نعق الغراب فقلت نح اولا تنح
فلقد قضيت من النبى ديونى
ليت اشياخى ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل
قد قتلنا القرون من ساداتهم
وعدلنا ببدر فاعتدل

ترجمہ:

جب وہ سواریاں اور سر جیرون کی بلندیوں پر نمودار ہوئے۔ تو کوا چلایا اس پر میں نے کہا تو نوحہ کر یا نہ کر میں نے تو نبی سے اپنا قرض پورا پورا وصول کر لیا۔ (یا یہ کہ اس نے کہا) کاش میرے بدر والے بزرگ، نیزوں کی مار سے خزرج و انصار کی دہشت دیکھتے۔ ہم نے ان کے سرداروں میں چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور اس طرح بدر کا بدلہ اتار دیا۔

یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیادار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا رہے حسین رضی اللہ عنہ تو بلاشبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔ لاریب حسینؓ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے اس سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

شہادت کا رتبہ بلند

شہادت حسینؓ اگرچہ امت کیلئے بہت بڑی مصیبت ہے لیکن خود حضرت حسینؓ کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں بلکہ شہادت، عزت، اور علو منزلت ہے یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ نبی ﷺ کے دونوں نواسے (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) گہوارہ اسلام میں پیدا ہوئے۔ امن و امان کی گود میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے۔ جن کے طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے۔ اس لئے شہداء خوش بخت کے اعلیٰ درجات و منازل تک پہنچنے کے لئے انہیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضرور تھا۔ چنانچہ دونوں گزر گئے ایک کو زہر دیا گیا اور دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی۔

بڑی بڑی اہم شہادتیں

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کیلئے زیادہ بڑی مصیبت تھا۔

صبر نہ کہ جزع فزع

یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہر حال ان پر صبر کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے کیونکہ اس سے خدا خوش ہوتا ہے۔ فرمایا:

وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون۔

ترجمہ: ان صبر گزاروں کو خوشخبری دے دیجئے جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ بن حسینؓ کی حدیث

مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں خود حضرت حسینؓ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی حدیث ہے کہ میرے باپ نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ

ما من مسلم يصاب بمصيبة فيذكر مصيبة وان قدمت فيحدث لها استراجاعا الا اعطاه الله من الاجر مثل اجره يوم اصيب بها۔

ترجمہ: جو مسلمان بھی اپنی مصیبت کو (اگرچہ وہ کتنی ہی پرانی ہوگئی ہو) یاد کر کے صبر کرتا ہے۔ اور

حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کیلئے زیادہ بڑی مصیبت تھا

انا لله و انا اليه راجعون پڑھتا ہے تو خدا اسے اتنا ہی ثواب دیتا ہے جتنا خود مصیبت نازل ہونے کے وقت دے چکا ہے۔

حضرت فاطمہ نے میدان کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کا ہیبت ناک قتل دیکھا تھا اس لئے ان کی یہ حدیث خاص طور پر قابل لحاظ اور ہر مسلمان کیلئے دعوت صبر عزیمت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حضرت حسینؓ کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے یہ نہیں چاہئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے یا گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کردے یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں اور اللہ کا رسول ﷺ ان کے مرتکب سے براءت کا اعلان کرچکا ہے۔

ماتم اور بین کرنے والے ہم میں سے نہیں۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ:

ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية

ترجمہ: جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے وہ ہم میں سے نہیں۔

نیز آپ ﷺ نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بنایا ہے:

انا برى من الصالقة والحالقة والشاقة۔

ترجمہ: صالقہ بین کرنے والی عورتیں، حالقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والی اور شاقہ گریبان پھاڑنے والی عورتیں۔

نیز فرمایا:

ان النائحة اذا لم تتب قبل موتها فانها تلبس يوم القيامة درعا من جرب وسربالا من قطران۔

ترجمہ: اجرت پر نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کے بغیر مر جائیں گی تو خدا انہیں قیامت کے دن خارشی قمیض اور گندھک کا جامہ پہنائے گا۔

اس قسم کی عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ سزا کے دوران اس کا سر کھل گیا تو لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اس کا سر برہنہ ہوگیا ہے فرمایا کچھ پروا نہیں۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حضرت حسینؓ کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے یہ نہیں چاہئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے یا گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کردے یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں اور اللہ کا رسول ﷺ ان کے مرتکب سے براءت کا اعلان کر چکا ہے

اس کی کوئی حرمت نہیں کیونکہ لوگوں کو مصیبت میں صبر کرنے سے منع کرتی ہے حالانکہ خدا نے صبر کا حکم دیا ہے اور یہ رونے کی ترغیب دیتی ہے۔ حالانکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے زندہ کو فتنہ میں ڈالتی ہے مردہ کو تکلیف دیتی ہے۔ اپنے آنسو فروخت کرتی ہے اور دوسروں کیلئے بناوٹ سے روتی ہے یہ تمہاری میت پر نہیں روتی بلکہ تمہارا پیسہ لینے کیلئے آنسو بہاتی ہے۔

شہادت حسین کے بارے میں افراط وتفریط

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے اسی طرح بعضوں نے حضرت حسین کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے ایک گروہ کہتا ہے (معاذ اللہ) ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ فرما چکے ہیں:

من جاء كم وامركم على رجل واحد يريد ان يفرق جماعتكم فاقتلوه

ترجمہ: اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے آئے اسے قتل کر ڈالو۔

حضرت حسینؓ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لئے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے۔

بلکہ بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام میں اولین باغی حسینؓ ہے۔

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے۔

حضرت حسینؓ امام برحق تھے ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انہوں نے مقرر کیا اور جہاد نہیں ہوسکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا

ان دونوں نہایت غلطیوں کے درمیان اہل سنت ہیں وہ نہ پہلے گروہ کے ہمنوا ہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسین مظلوم شہید کئے گئے ان کے ہاتھ امت کی سیاسی باگ ڈور نہیں آئی۔ علاوہ بر آں مذکورہ بالا احادیث

ان پر چسپاں نہیں ہوتیں کیونکہ جب انہیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادہ سے دستبردار ہو گئے تھے (یعنی راستہ ہی سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مسلم کے بھائیوں کے اصرار کا ساتھ دینا پڑا) (جیسا کہ شیعہ سنی سب تاریخوں میں ہے (ص،ی)

اور فرماتے ہیں (یعنی منزل مقصود پر پہنچ کر جب ابن زیاد کی فوج کے سربراہ عمر بن سعد سے گفتگو مصالحت کے سلسلہ میں حضرت حسینؓ نے متن میں مذکورہ تین باتیں فرمائیں۔

مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ (اس تیسری بات کے بارے میں تاریخ طبری (ص۳۱۳،ج۵ طبع جدید) میں یہ الفاظ ہیں:

یعنی میں براہ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا (بیعت کر لوں گا) پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کرے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ایک جگہ یہ الفاظ ذکر کئے ہیں:۔

وطلب ان یردوہ الی یزید ابن عمہ حتی یضع یدہ فی یدہ او یرجع من حیث جاء او یلحق بعض الثغور (راس الحسین ص ۲۰، مطلب وہی ہے جو متن میں ہے (ص ی)

شہادت حسینؓ کا نتیجہ صحابہ سے بدگمانی اور بدعات محرم کا ظہور

شہادت حسینؓ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کے پھیلانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشورہ میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ منہ پیٹتے ہیں، روتے، چلاتے ہیں بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ مرثیے پڑھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سلف وصحابہؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔ لعنت کرتے ہیں اور ان بے گناہ لوگوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ جنہیں واقعات شہادت سے دور ونزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ:

السابقون الاولون من المهاجرین و الانصار کو بھی گالیاں دیتے ہیں پھر واقعہ شہادت کی جو کتابیں پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر اکاذیب واباطیل کا مجموعہ ہیں اور ان کی تصنیف واشاعت سے ان کے مصنفوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنہ کے نئے نئے دروازے کھلیں اور امت میں پھوٹ بڑھتی جائے۔ یہ چیز باتفاق جملہ اہل اسلام نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ اس طرح رونا، پیٹنا اور پرانی مصیبتوں پر گریہ زاری کرنا اعظم ترین محرمات دینیہ میں سے ہے۔

پھر ان کے مقابلے میں دوسرا فتنہ ہے جو یوم عاشورہ میں مسرت اور خوشی کی بدعت کرتا ہے۔ کوفہ میں یہ دونوں گروہ موجود تھے۔ شیعوں کا سردار مختار بن عبید تھا اور ناصبیوں کا سرگروہ حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔

واقعات شہادت میں مبالغہ

جن لوگوں نے واقعات شہادت قلم بند کئے ہیں ان میں اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔ جس طرح شہادت عثمانؓ بیان کرنے والوں نے کیا اور جیسے مغازی وفتوحات کے راویوں کا حال ہے حتیٰ کہ واقعات شہادت کے مورخین میں سے بعض اہل علم مثلاً مغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ بھی بے بنیاد روائتوں کا شکار ہو گئے ہیں رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے ہاں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

دندان مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ

صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب حضرت حسینؓ شہید کئے گئے تو آپ کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی۔ مجلس میں حضرت انسؓ اور ابو برزہ اسلمیؓ دو صحابی موجود تھے۔ انسؓ نے اس کی تردید کی اور کہا: ''آپ رسول ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے'' صرف حضرت انسؓ ہی نہیں بلکہ اور صحابہؓ کو بھی آپ کی شہادت سے از حد ملال تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی کا مارنا جائز ہے انہوں نے خفا ہو کر جواب دیا:

اے اہل عراق! تمہیں مکھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر چکے ہو۔

بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا

متعدد مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ بات ہی اس کے پیش نظر تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم وتکریم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کریں۔ حضرت حسینؓ جب کربلا پہنچے آپ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے مگر مخالفوں نے نہ انہیں وطن واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے

پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے آپ نے نامنظور کیا اور شہید ہو گئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے تو یہاں تک کہا:

لعن الله ابن مرجانه (یعنی عبید الله بن زیاد) اما والله لو کان بینه وبین الحسین رحم لما قتله

ترجمہ: ابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد) پر خدا کی پھٹکار! واللہ! اگر وہ خود حسینؓ کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔

اور کہا:

قد کنت ارضی من طاعة اهل العراق بدون قتل الحسین۔

ترجمہ: بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔ پھر اس نے حضرت حسین کے پسماندگان کی بڑی خاطر تواضع کی اور عزت کے ساتھ انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا۔

یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی

بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی طرفداری بھی نہیں کی، نہ ان کے قاتلوں کو قتل کیا نہ ان سے انتقام لیا، لیکن یہ کہنا بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا، ملک ملک پھرایا اور بغیر کجاوہ کے انہیں اونٹ پر سوار کرایا۔ الحمدللہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اسے امت محمدیہ نے کسی حال میں جائز رکھا ہے۔

حضرت حسینؓ کو شہید کرنے کا گناہ عظیم

یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے حضرت حسینؓ کی شہادت عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ تھی جنہوں نے یہ فعل کیا۔ جنہوں نے انہیں مدد کی جو اس سے خوش ہوئے وہ سب کے سب اس عتاب الٰہی کے سزاوار ہیں جو ایسے لوگوں کیلئے شریعت میں وارد ہے لیکن حسینؓ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء مومنین اولین، شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بئر معونہ، حضرت عثمانؓ یا خود حضرت علیؓ بلکہ حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے۔ (معاذ اللہ) برخلاف حسینؓ کے کہ ان کے قاتل انہیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔ لیکن اپنی اغراض کی خاطر اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کیلئے باہمی خونریزی کرتے ہیں۔

یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ

رہا سوال یزید پر لعنت کرنے کا تو واقعہ یہ ہے کہ یزید بھی بہت سے دوسرے بادشاہوں اور خلفاء جیسا ہی ہے بلکہ کئی حکمرانوں سے وہ اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر "مختار بن ابی عبید الثقفی" سے کہیں اچھا تھا۔ جس نے حضرت حسینؓ کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ان کے قاتلوں سے انتقام لیا مگر ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ جبرائیل اس کے پاس آتے ہیں۔ اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا جو بلا نزاع یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا۔ یزید اور اس جیسے دوسرے سلاطین و خلفاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاسق تھے۔

لعنت کے بارے میں مسئلہ شرعیہ

لیکن کسی فاسد کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں البتہ عام لعنت وارد ہے مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا:

لعن الله السارق یسرق البیضة فتقطع یده

ترجمہ: چور پر خدا کی لعنت ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔

لعن الله من احدث حدثا او آوی محدثا

ترجمہ: جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت۔

یا مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت ﷺ کے پاس پکڑ کر لایا جاتا تھا یہاں تک کہ کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا:

لعنة الله ما اکثر ما یوتی به الی النبی ﷺ

ترجمہ: اس پر خدا کی لعنت کہ بار بار پکڑ کر دربار رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا:

لا تلعنه فانه یحب الله ورسوله

ترجمہ: اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

حالانکہ آپ نے عام شرابیوں پر لعنت بھیجی ہے اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے مگر اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں اور معلوم ہے کہ ہر مومن اللہ اور رسول سے ضرور محبت رکھتا ہے۔

یزید پر لعنت سے پہلے دو

چیزوں کا اثبات ضروری ہے۔

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہوگا وہ بالآخر دوزخ سے نجات پائے گا۔

بنابریں جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہیں انہیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا روا ہے۔

رہی آیت:

الا لعنة الله علی الظالمین

تو یہ عام ہے جیسا کہ باقی تمام آیات وعید عام ہیں اور پھر ان آیتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ یہ گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دوسرے اسباب آ کر لعنت وعذاب کے اسباب کو دور کر دیتے ہیں۔ مثلاً گناہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی یا اس سے ایسی حسنات بن آئیں جو سیئات کو مٹا دیتی ہیں یا یہ مصائب پیش آئے جو گنہگاروں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ بنابریں کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا سیئات کو دور کرنے والی حسنات انجام نہیں دیں یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا یا یہ کہ اللہ کسی حال میں بھی انہیں نہیں بخشے گا۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء (النساء)

پھر صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی وہ مغفور ہے۔

اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہوگی بہت ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن اس سے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔

لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج

پھر ہم خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے ضرور آلودہ ہوتے ہیں اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ کے حق میں صلاۃ و دعا کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا لاموات وانهم قد فضوا الی ما قدموا۔

ترجمہ: مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔

بلکہ جب لوگوں نے ابو جہل جیسے کافر کو گالیاں دینی شروع کیں تو انہیں منع کیا اور فرمایا:

لا تسبوا امواتنا فتوذوا احیاء نا

ترجمہ:

ہمارے مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ اس لئے کہ قدرتی طور پر ان کے مسلمان رشتہ دار برا مانتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے صالح نے کہا:

الا تلعن یزید؟

آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟

حضرت امام نے جواب دیا:

متی رأیت اباک یلعن احدا

تو نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا تھا۔

آیت: فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم (سوره محمد)

ترجمہ: کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد سے پیٹھ پھیر لو تو لوگ ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے لگیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اس آیت سے خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کی وعید ان لوگوں کو شامل کرتی ہے جو ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ افعال صرف یزید ہی نے نہیں کئے بلکہ بہت سے ہاشمی، عباسی، علوی بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے ان سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانوں پر لعنت ضروری ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال بہت عام ہیں مگر یہ فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا۔

قاتلین حسینؓ کے متعلق روایات

رہی وہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حسینؓ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا۔

اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب ہوگا اس کے ہاتھ پاؤں، آتشی زنجیروں سے جکڑے ہوں گے وہ دوزخ میں الٹا اتارا جائیگا یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور اسمیں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا۔

تو یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہے جو رسول ﷺ پر تہمت باندھنے سے نہیں شرماتے۔ کہاں آدھی دوزخ کا عذاب اور کہاں ایک حقیر آدمی؟ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین، قاتلین انبیاء اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب، قاتلین حسین سے کہیں زیادہ سخت ہوگا بلکہ عثمانؓ کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؓ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔

اہل سنت کا مسلک معتدل ہے

حسینؓ کی طرفداری میں اس غلو کا جواب ناصبیوں کا غلو ہے جو حضرت حسینؓ کو اس حدیث کا مصداق قرار دے کر

من اتاکم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقه بالسیف کائنا من کان (مسلم)

باغی اور واجب القتل قرار دیتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت نہ اس کا ساتھ دیتے ہیں نہ اس غلو کا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ مظلوم شہید ہوئے اور ان کے قاتل ظالم و سرکش تھے اور ان احادیث کا اطلاق ان پر صحیح نہیں جن میں تفریق بین المسلمین کرنے والے کے قتل کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ کربلا میں آپ کا قصد امت میں پھوٹ ڈالنا نہ تھا۔ بلکہ آپ جماعت ہی میں رہنا چاہتے تھے مگر ظالموں نے آپ کا کوئی مطالبہ نہ مانا نہ آپ کو وطن واپس ہونے دیا نہ سرحد پر جانے دیا، نہ خود یزید کے پاس پہنچنے دیا بلکہ قید کرنے پر اصرار کیا۔ ایک معمولی مسلمان بھی اس برتاؤ کا مستحق نہیں ہوسکتا کجا کہ حضرت حسینؓ۔

اسی طرح یہ روایت بھی رسول ﷺ پر سفید جھوٹ ہے کہ:

جس نے میرے اہل بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہنچائی۔ اس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہوگا۔

اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہیں نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ رشتہ دار اور قرابت سے زیادہ ایمان اور تقویٰ کی حرمت ہے اگر اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص جرم کرے جس پر شرعاً اسکا قتل واجب ہو تو بالاتفاق اسے قتل کر ڈالا جائے گا۔ اگر کوئی ہاشمی چوری کرے تو یقیناً اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اگرچہ مقتول حبشی، رومی، ترکی، دیلمی غرض کوئی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

المسلمون تتکافا دمائوهم

ترجمہ: تمام مسلمانوں کا خون یکساں حرمت رکھتا ہے۔

پس ہاشمی وغیر ہاشمی کا خون برابر ہے۔

اسلامی مساوات

نیز فرمایا:

انما اهلک من کان قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها.

ترجمہ: اگلی قومیں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن جب معمولی آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی واللہ! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

اس میں آپ ﷺ نے تشریح کر دی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا قریب سے قریب عزیز بھی جرم سے آلودہ ہوگا تو اسے شرعی سزا ضرور ملے گی۔

کسی خاندان کی خصوصیت ثابت نہیں

پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ کہہ کر اپنے خاندان کو خصوصیت دیں گے جو ان کا خون بہائے گا اس پر خدا کا غصہ بھڑکے گا۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہی مسلم ہے کہ ناحق قتل خدا کی شریعت میں حرام ہے علاوہ اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعدله عذابا عظیما (النساء)

پس قتل کی اباحت وحرمت میں ہاشمی وغیر ہاشمی سب مسلمان یکساں درجہ رکھتے ہیں اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے اب عام اس سے کہ آپ کے خاندان کو تکلیف دے کر ہو یا امت کو ستا کر، یا سنت توڑ کر۔

واضح ہوگیا کہ اس طرح کی بے بنیاد حدیثیں جاہلوں اور منافقوں کے سوا کوئی اور انہیں بیان کرسکتا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ رسول ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمان کو ہمیشہ

وصیت کرتے اور فرماتے تھے۔ ''یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں'' بالکل غلط ہے۔

بلاشبہ حضرت حسنؓ وحسینؓ اہل بیت میں بڑا درجہ رکھتے ہیں لیکن نبی ﷺ نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ: حسینؓ تمہارے پاس میری امانت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مقام اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اپنی اولاد مخلوق کو سونپیں۔

ایسا کہنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) یہ کہ جس طرح مال امانت رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو یہ صورت تو نہیں ہوسکتی کیونکہ مال کی طرح آدمی امانت رکھے نہیں جاسکتے یا یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے تو یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہوسکتی کیونکہ بچپن میں حسنینؓ اپنے والدین کی گود میں تھے۔ اور جب بالغ ہوئے تو اور سب آدمیوں کی طرح خود مختار اور اپنے ذمہ دار ہوگئے۔ اگر یہ مطلب بیان کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو ان کی حفاظت وحراست کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے بچ نہیں سکتی۔ وہ صرف خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کہا جائے اس سے آپ کی غرض ان کی حمایت ونصرت تھی تو اس میں ان کی خصوصیت نہیں۔ ہر مسلمان کو دوسرے مظلوم مسلمان کی حمایت ونصرت کرنی چاہئے اور ظاہر ہے حسنینؓ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

(۲) اسی طرح یہ کہنا کہ آیت لا اسئلکم علیه عنه اجرا الا المودة فی القربی (میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا ہوں صرف رشتہ داری کی محبت چاہتا ہوں) حسنینؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ آیت سورہ شوریٰ کی ہے اور سورہ شوریٰ مکی ہے اور حسنینؓ کے متعلق حضرت فاطمہؓ کی شادی سے پہلے اتری ہے؟ آپ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں ہوا اور حسن و حسینؓ ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(منہاج السنہ از صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۶، جلد ۲)

عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس

بمقام دھرنگ ضلع گوجرانوالہ

بتاریخ 8 اپریل 2003 بروز منگل بعد نماز عشاء

مہمان خصوصی:

عظیم سکالر، پروفیسر محمد یاسین ظفر صاحب

پرنسپل جامعہ سلفیہ

مقررین:

بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالرشید صاحب

مجاہد آبادی

جانشین شیر ربانی حضرت مولانا قاری محمد حنیف

ربانی کاموکی

خطیب ذیشان حضرت مولانا حافظ امین الرحمن

ساجد صاحب مدرس جامعہ سلفیہ

فاضل نوجوان حضرت مولانا ناصر محمود مدنی

منجانب: سید ثناء اللہ شاہ صاحب گیلانی

خطیب دھرنگ ضلع گوجرانوالہ

سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس

بمقام چک نمبر 226 ملکھانوالہ

بتاریخ 28 مارچ 2003 بروز جمعہ بعد نماز عشاء

تلاوت قرآن مجید

زینت القراء قاری نوید الحسن لکھوی صاحب

مدرس جامعہ سلفیہ

خطبہ جمعہ:

شیر ربانی حافظ عبدالعلیم یزدانی آف جھنگ

مقررین:

قاری عبدالحفیظ صاحب فیصل آبادی

مولانا شمشاد احمد سلفی آف نارنگ منڈی

مولانا محمد نواز چیمہ صاحب آف گوجرانوالہ

حافظ محمد اکبر جاوید صاحب

منجانب: مرکزی جمعیت اہلحدیث واہلحدیث

یوتھ فورس ملکھانوالہ ضلع فیصل آباد

رابطہ: 041-716707-777227

اپنی تجارت کو فروغ دینے کیلئے

مجلہ "**ترجمان الحدیث**"

میں اشتہارات دیجئے۔

انتہائی معقول ریٹ...... بہترین سرکولیشن

بیک ٹائٹل	5000 روپے
بیک ٹائٹل اندرون	4000 روپے
فل صفحہ اندرون	3000 روپے
نصف صفحہ اندرون	1500 روپے
چوتھائی صفحہ اندرون	800 روپے

عام چھوٹے اشتہارات 500 روپے

رابطہ کیلئے: منیجر مجلہ "ترجمان الحدیث"

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

فون نمبرز: 041-780274 780374

یا اس ای میل ایڈریس پر رابطہ کریں

tarjuman@hotmail.com